سرمایہ اور ریاست

جاوید اکبر انصاری

سرمایہ کیا ہے؟

اکنامکس کے کلاسیکی اور نیو کلاسیکی ادب میں سرمایے سے مراد ایک ذریعۂ پیداوار (factor of production) ہے جو دوسرے پیداواری عامل، محنت (Labour) کے ساتھ مل کر معاشی عمل کو جاری رکھتا ہے لیکن یہ دو پیداواری عوامل جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں، یہ ایک ہی شے کی مختلف جہتیں نہیں ہیں۔ یہ سوال کیمبرج انگلستان اور کیمبرج ایم آئی ٹی (MIT) کی ۱۹۵۰ء تا ۱۹۷۰ء کی دہائیوں میں سرمایے کی حقیقت کے بارے میں مشہور ”سرمایہ جدال“ یا دو ”کیمبرج جدال“ (Capital Controversy) کے ضمن میں اٹھایا گیا تھا۔ کیمبرج انگلستان کے دو معیشت دانوں سرافا (Piero Sraffa) اور رابنسن (Joan Robinson) نے ثابت کیا کہ منجمد سرمایے (مشینری، زمین) کی قدر ان اشیاء کی قدر سے متعین ہوتی ہے جو اس منجمد سرمایے کی پیدا کردہ اشیاء کی فروخت سے حاصل ہوتی ہیں[۱]۔

قدر کیا ہے؟

اکانومسٹ قدر کی دو تعریفیں پیش کرتے ہیں۔ مارکس کے پیروؤں کی نظر میں قدر اس لازمی معاشرتی محنتی وقت (socially necessary labour time) سے متعین ہوتی ہے جو کسی شے کی پیداوار میں صرف ہوتا ہے[۲]۔ یہ نظریہ کلاسیکی معیشت دانوں جیسے ایڈم سمتھ اور ڈیوڈ ریکارڈو نے پیش کیا تھا، لیکن اسے کارل مارکس نے سب سے زیادہ منظم اور مرکزی حیثیت دی۔ نیو کلاسیکی اکنامکس کی نظر میں قدر شے کی افادیت (utility) سے متعین ہوتی ہے اور یوٹیلٹی کا تعین انفرادی نفسانی رجحانات کی بنیاد پر ہوتا ہے[۳]۔

دونوں تصورات سرمایہ دارانہ معاشرت اور سرمایہ دارانہ انفرادیت کو متصور کرتے ہیں۔ نیو

کلاسیکی نقطۂ نگاہ میں فرد اپنی خواہشات کی تکمیل اور لذات کی جستجو میں معاشی عمل کو جاری رکھتا ہے جبکہ مارکس، سرافا، رابنسن کی نظر میں حصول منافع کی جستجو پیداواری عمل کا محرک ہے جو سرمایہ کار ان اشیاء کی پیداوار کے ذریعے جاری رکھتا ہے جن کی تقابلی قدر (comparative value) کی بنیاد پر زیادہ اضافی قدر (surplus value) حاصل کی جاسکے۔

ان دونوں تصورات کے مطابق معاشی عمل کا محرک حصول لذات اور حصول قوت ہے۔ سرمایہ کار اور محنت کش دونوں ان معنوں میں سرمایہ دار ہیں کہ دونوں کا محرک عمل یکساں ہے اور دونوں ایک دوسرے کے خلاف یا ایک دوسرے کے تعاون سے حصول لذات اور قوت کی تقسیم یا اس کی بڑھوتری کے لیے تگ و دو کر رہے ہیں۔

سرمایے کی حقیقت کو ہمارے حضرت مولانا محمد مارمڈیوک پکتھال نے خوب پہچانا۔ آپ نے سرمایہ کو تکاثر یعنی حرص و ہوس کی ایسی تجسیم قرار دیا ہے جو دولت اور نفوس کے اندر سرائیت کر کے اپنی لامتناہی بڑھوتری کے لیے ہر دم گردش کرتی رہتی ہے۔ سرمایہ دارانہ انفرادیت وہ انفرادیت ہے جو حرص اور ہوس کی مطلقاً اسیر ہو اور سرمایہ دارانہ معاشرت وہ معاشرت ہے جس کی اجتماعی عقلیت معاشرتی فیصلہ سازی میں حرص و ہوس کی تقدیم کو ممکن بنادے۔

ریاست کیا ہے؟

انفرادیت اور معاشرت پر حرص اور ہوس کا یہ غلبہ ریاست قائم کرتی ہے۔ ریاست اس ادارتی اجتماع کو کہتے ہیں جو مخصوص جغرافیائی حدود میں قوت کو منظم کرتی ہے۔ ریاستی نظم کی پیہم جستجو ہوتی ہے کہ قوت کے ہر سرچشمے (خاندان، برادری، مسجد) کو اپنے دائرۂ اثر میں جکڑ لے[۴] لیکن اگر ریاستی مقتدرہ اور محکومین کے اقدار ہم آہنگ ہوں تو یہ رجحان دبا رہتا ہے لیکن جب ریاستی مقتدرہ اور محکومین کے اقدار مختلف ہوں یا خاص طور پر متضاد ہوں تو ریاست کا معاشرتی مداخلت اور جبر بہت بڑھ جاتا ہے[۵]۔

سرمایہ دارانہ ریاست عیسائی معاشرت میں پیدا ہوئی۔ گیارھویں اور بارھویں صدی میں اٹلی کے چند ساحلی شہروں جیسے جینوا (Genoa)، وینس (Venice) اور فلورنس (Florence) میں سود خوروں اور سٹہ بازوں کا جتھا ریاستی اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور اس نے حرص وہوس کا زہر معاشرہ میں پھیلا دیا۔ اس کے عوامل میں آزاد تجارتی ماحول، بحری راستوں پر کنٹرول، اور مالیاتی اختراعات (Financial Innovations) جیسے بینکاری، بیمہ، اور سود خوری (Usury) کا بڑھتا ہوا عمل شامل تھا۔

یہ زہر اٹلی کے ساحلی شہروں تک محدود نہ رہا بلکہ تجارت اور سرمایہ کاری کے ذریعے جرمنی کے چند شہروں اور نیدرلینڈز میں پھیلا۔ جرمنی کے تجارتی شہروں (جیسے ہینسیٹک لیگ) اور بعد میں نیدرلینڈز (Dutch Republic)، خاص طور پر ایمسٹرڈیم، مالیاتی سرمایہ داری کے اہم مراکز بن گئے، جہاں شیئرز کی تجارت اور جدید بینکنگ نے جڑ پکڑی۔

انقلاب انگلستان ۱۶۸۹ء، انقلاب فرانس ۱۷۸۹ء سے پورے مغربی یورپ اور ۱۸۹۶ء کے بعد امریکا[۶] میں سود خور اور سٹہ باز ریاستی نظام پر غالب آگئے۔ انقلاب انگلستان کے نتیجے میں پارلیمنٹ کی طاقت بڑھی اور بعد ازاں بینک آف انگلینڈ (۱۶۹۴ء) کا قیام مالیاتی مفادات کو ریاستی سرپرستی دینے کا اہم قدم تھا۔ یہ وہ دور تھا جب برطانیہ میں سود خوری کے قوانین نرم ہوئے اور تجارتی مفادات کو عسکری طاقت کے ذریعے تحفظ ملا[۷]۔ پھر سامراج نے پوری دنیا کو سرمایہ دارانہ تحکم کے لیے فتح کر لیا اور آج دنیا کی بیش تر ریاستیں سرمایہ کی محکوم ہیں[۸]۔

سرمایہ دارانہ ریاست

ریاست کے توسط کے بغیر نہ سرمایہ دارانہ انفرادیت وجود میں آسکتی ہے نہ سرمایہ دارانہ معاشرت کیونکہ ریاست ہی وہ تناظر فراہم کرتی ہے جس میں حرص اور حسد فرد اور معاشرہ پر تغلب حاصل کرتے ہیں[۹]۔

حرص اور حسد کا نظاماتی تغلب، تنفیذ و تحکمِ قانون سرمایہ کا لازمی نتیجہ ہے۔ تحکمِ قانونِ سرمایہ

rule of law of capital کو rule of law کہتے ہیں۔ یہ فی الواقع rule of law of capital ہے اور اس کی تنفیذ کا مطلب یہ ہے کہ تمام اجتماعی فیصلے سرمایہ دارانہ عقلیت کی بنیاد پر کیے جائیں گے۔ ریشنل عمل وہ عمل ہے جو سرمایہ یعنی حرص اور ہوس کی بڑھوتری کو ممکن بنائے۔ لہٰذا ہر اجتماعی عمل حرص اور ہوس کو فروغ دینے کا ذریعہ بنا دیا جاتا ہے[۱۰]۔

سرمایہ دارانہ ریاست سرمایہ دارانہ ملکیت کی تخلیق کرتی ہے یہ عمل ذاتی ملکیت کو بتدریج کارپوریٹ ملکیت میں تحلیل کر کے کیا جاتا ہے۔ کارپوریشن سرمایہ دارانہ ریاست کی ایجاد ہے اور اس کو قانونی تحفظ حاصل ہے۔ کارپوریشن وہ شخص قانونی ہے جس کا واحد مقصد وجود بڑھوتری سرمایہ کو جاری رکھنا ہے۔ اس کے وجود کا یہ مقصد اس کے حصص کنندگان کسی حالت میں رد نہیں کر سکتے۔ حصص کنندگان ریشنل ہونے پر مجبور ہیں۔ ریشنلٹی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی ملکیت کی فرضی حیثیت کو تسلیم کریں۔ کارپوریشن کا اصل مالک سرمایہ ہوتا ہے۔ بتدریج پوری معیشت کارپوریٹ ملکیت کے تحت منظم کی جاتی ہے۔ کارپوریٹ ملکیت کی یہ نظاماتی بالادستی فنانس کے ذریعہ قائم کی جاتی ہے۔ فنانس بھی سرمایہ دارانہ ریاست کی ایجاد ہے۔ فنانس سود اور سٹے کے کاروبار کو منظم کرتا ہے اور سرمایہ دارانہ زر کی تخلیق کا باعث بنتا ہے۔ ہر شے اور عمل کی قدر کا تعین فنانشل مارکیٹوں کی کارفرمائی پر منحصر ہوتا ہے۔

معاشرے میں گردش کرنے والے زر کے ۹۰ سے ۹۵ فیصد حصے کو پیسے / منی کی مارکیٹ تخلیق کرتی ہے اور جو ۵ سے ۱۰ فیصد زر حکومت جاری کرتی ہے وہ بھی سود سے ملوث ہوتا ہے[۱۱]۔ سرمایہ دارانہ زر کی گردش کے نتیجے میں سرمایہ تمام دولت اور محنت پر قابض ہو جاتا ہے۔ ہر شخص سرمایے کی عبودیت (بندگی) پر مجبور ہو جاتا ہے کیونکہ سرمایہ دارانہ ریاست میں رہتے ہوئے وہ سرمایہ دارانہ زر کے استعمال پر مجبور ہوتا ہے[۱۲]۔

سرمایہ داری ایک تضاداتی نظام ہے۔ وہ بحرانوں کا شکار ہوتا رہتا ہے۔ ریاست بحرانی ادوار میں سرمایہ دارانہ نظام کو سہارا دیتی ہے۔ پیداواری کساد بازاری (depression) کو رفع کرنے کے لیے وہ یا تو سامراجی سرمایہ کاری کرتی ہے یا حکومتی قرضے کی بنیاد پر مقامی سرمایہ

کاری کو ممکن بناتی ہے اور یوں فنانشل مارکیٹوں میں اعتماد بحال کرتی ہے (جیسا کہ ۲۰۰۸ء تا ۲۰۱۰ء اور ۲۰۲۰ء تا ۲۰۲۱ء کے بحرانی ادوار میں امریکا، چین، جاپان اور یورپی ممالک کی سرمایہ دار ریاستوں نے کیا)۔

ریاست، سرمایہ کا عالمی غلبہ مستحکم رکھنے کے لیے سرمایہ دارانہ ممالک میں ارتباط عمل پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے اور قومی بڑھوتری سرمایہ کی مختلف ضرورتوں کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

سرمایہ داری ایک کلیتی (totality/totalizing) نظام ہے جو ریاست کے ذریعے معاشرت اور انفرادیت کو مسخ کر دیتا ہے اور زندگی کے ہر شعبے پر غالب آنے کی مستقل جدوجہد کرتا رہتا ہے۔ یہ کلیت مستقل بدلتی رہتی ہے اور نئی نئی شکلیں اور اداراتی نوعیتیں تخلیق کرتی رہتی ہے۔ غرض کہ سرمایہ دارانہ نظاماتی تضاد کو رفع کرنے میں ریاست کا کردار نہایت اہم ہے۔ ریاست اجتماعی سرمایہ دارانہ مانگ (aggregate demand) کو قائم رکھنے کے لیے ویلفیئر پالیسیاں اختیار کرتی ہے تاکہ محنت کش بھی سرمایہ دارانہ تعقل قبول کر لیں اور سرمایہ دارانہ انفرادیت فروغ پائے۔ وہ بین الاقوامی مسابقت کے تناظر میں ملکی سرمایہ دارانہ مفادات کو فروغ دینے کی جستجو کرتی ہے۔ وہ سیکورٹائزیشن کے ذریعہ منجمد سرمایے (fixed capital) کو سیال بنا کر اس کو فنانشل مارکیٹوں کے تحکم کے زیر اثر لاتی ہے[۱۳]۔

سرمایہ دارانہ ریاست کی تسخیر ناگزیر ہے

ہم اسلامی انقلابی ہیں اور ہمارا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ آج کے دور میں سرمایہ دارانہ ریاست کی تسخیر تحفظ اور غلبۂ دین کے لیے ناگزیر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام سرمایہ دارانہ ریاست کے سہارے ہی معاشرت اور انفرادیت میں حرص اور ہوس کے تغلب کی راہ ہموار کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے دعوتی عمل (تبلیغ، تعلیم، تزکیۂ نفس) کے اثرات لازماً نہایت محدود رہتے ہیں۔

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

اسی لیے ہم اسلامی انقلابی جدوجہد کو دور حاضر میں اقامت دین کے ہر پہلو پر ترجیح دیتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ ریاست سرمایہ دارانہ معاشرت کی پرورش کرتی ہے اور انفرادیت حرص وہوس کے تغلب کا شکار ہو جاتی ہے۔ اسلامی ریاست وہ قوت ہے جو سرمایے کے معاشرتی اور انفرادی تغلب کو ختم کرنے کے لیے نظام فراہم کر سکتی ہے کیونکہ اسلامی ریاست کے قیام کے بغیر تحکمِ قانونِ سرمایہ کو معطل نہیں کیا جا سکتا اور تحکمِ قانون سرمایہ کی موجودگی میں ہر فرد سرمایے کے تغلب کو کسی نہ کسی حد تک قبول کرنے کے لیے مجبور ہوتا ہے اور اپنی اس مجبوری کی عکاسی سرمایہ دارانہ انفرادیت کے اظہار کی صورت میں مستقلاً کرتا رہتا ہے۔ اسلامی ریاست اس جبر کے تدارک کا واحد ذریعہ ہے۔

نوٹس و حوالہ جات

۱۔ نیو کلاسیکی ماہرین (مثلاً پال سامو ئلسن) یہ فرض کرتے تھے کہ معیشت میں موجود تمام مشینوں، عمارتوں اور آلات کو جمع کر کے ایک واحد عدد "K" (Aggregate Capital) حاصل کیا جا سکتا ہے۔ نیو کلاسیکی ماہرین کے لیے سرمایہ ایک ایسی "شے" تھی جسے پیداوار شروع ہونے سے پہلے ناپا جا سکتا تھا۔ اس تناظر میں جوان رابنسن نے یہ سوال اٹھایا کہ "سرمائے کی اکائی کیا ہے؟" یہ دراصل معاشیات کے ریاضیاتی ڈھانچے (Mathematical Structure) اور حقیقی معاشی زندگی کے درمیان تصادم تھا۔
نیو کلاسیکی ماہرین (مثلاً سامو ئلسن اور سولو) کے لیے یہ "واحد اکائی" ناگزیر تھی کیونکہ ان کا پورا ڈھانچہ پیداواری تفاعل (Production Function) پر کھڑا تھا جسے عموماً اس صورت میں لکھا جاتا ہے:

$$Y = f(K, L)$$

یہاں K سے مراد "کل سرمایہ" ہے۔ لیکن یہاں سے وہ منطقی بحران جنم لیتا ہے جسے ہم نے اوپر بیان کیا۔
جوان رابنسن (Joan Robinson) کا بنیادی اعتراض یہ تھا کہ اگر ہم "سرمایہ" کو پیداواری عامل کے طور پر استعمال کرتے ہیں، تو اسے ناپنے کا پیمانہ کیا ہے؟
اگر ہم مشینوں کی تعداد گنیں، تو ایک سٹیل مل اور ایک ٹیکسٹائل مل کا موازنہ ناممکن ہے۔ اگر ہم ان کی مالیاتی قدر (Monetary Value) لگاتے ہیں، تو وہ قدر خود شرح سود اور منافع پر منحصر ہوتی ہے۔ نتیجتاً یہ ایک دوری منطق (Circular Reasoning) بن جاتی ہے جہاں سرمایے کی قیمت معلوم

کرنے کے لیے شرح سود چاہیے اور شرح سود معلوم کرنے کے لیے سرمایے کی کل مقدار کا علم ہونا ضروری ہے۔ سرافا نے اپنی کتاب *Production of Commodities by Means of Commodities* میں ثابت کیا کہ سرمایہ کوئی مادی شے نہیں بلکہ ماضی کی محنت (Dated Labour) کا ایک ذخیرہ ہے۔ اس کے نزدیک، آج کی مشین دراصل ماضی میں صرف کی گئی محنت اور خام مال کا مجموعہ ہے۔

اس نظریے نے نیو کلاسیکی "پیداواری تفاعل" (Production Function) کی بنیادوں پر ضرب لگائی، کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ سرمایے کی پیداواری صلاحیت اس کی مقدار سے نہیں بلکہ تقسیمِ دولت کے سماجی ڈھانچے سے طے ہوتی ہے۔

کیمبرج انگلستان کے ماہرین نے واضح کیا کہ سرمایے کے دو رخ ہیں:

تکنیکی رخ: وہ آلات اور مشینری جو پیداوار میں مدد دیتے ہیں۔

سماجی و معاشی رخ: وہ "قوتِ خرید" یا "قدر" جو مالکان کو محنت کے استحصال یا منافع کے حصول کا حق دیتی ہے۔

۲۔ لازمی محنتی وقت سے وہ اوسط وقت مراد ہے جو اس شے کو موجودہ ٹیکنالوجی اور اوسط محنت کی مہارتوں کے تحت پیدا کرنے کے لیے درکار ہے۔ معاشرتی سے وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ انفرادی پیداواری وقت نہیں، بلکہ معاشرتی اوسط وقت اہمیت رکھتا ہے۔ اگر کوئی مزدور سست رفتاری سے کام کرتا ہے تو اس کی بنائی ہوئی شے کی قدر زیادہ نہیں ہو جائے گی، بلکہ اس کا تعین اوسط (معاشرتی) رفتار سے ہو گا۔ مارکس کے مطابق، چونکہ محنت ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو نئی قدر پیدا کرتا ہے، اس لیے اشیاء کی قدر کا منبع اور پیمانہ صرف محنت ہے۔ چنانچہ مارکس کا نکتہ یہ ہے کہ قدر (Value) اور مبادلاتی قدر (Exchange Value-یعنی قیمت) دو الگ چیزیں ہیں۔ قیمت اس قدر کے گرد گھومتی ہے، لیکن مارکیٹ کی طلب و رسد سے وقتی طور پر متاثر ہو کر اس سے انحراف بھی کر سکتی ہے۔

۳۔ نیو کلاسیکی اکنامکس کی نظر میں قدر شے کی افادیت (utility) سے متعین ہوتی ہے اور یوٹیلٹی کا تعین انفرادی نفسانی رجحانات کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

افادیت ایک ذاتی، انفرادی، اور نفسانی (Subjective and Psychological) احساس یا رجحان ہے جو صارف کو کسی شے کے استعمال سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کا تعلق مارکس کے محنتی وقت سے نہیں ہے۔

حدی افادیت (Marginal Utility): نیو کلاسیکی اکنامکس میں قدر کا تعین کل افادیت سے نہیں، بلکہ آخری اکائی کی افادیت سے ہوتا ہے جو صارف کو استعمال کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ جیسے جیسے کسی شے کی زیادہ اکائیاں استعمال کی جاتی ہیں، آخری اکائی کی افادیت کم ہوتی جاتی ہے (قانونِ گھٹتی ہوئی حدی افادیت)۔

قدر اور قیمت: مارکیٹ میں شے کی قیمت اس افادیت اور صارف کی طلب کو ظاہر کرتی ہے جو وہ اس شے کے لیے محسوس کرتا ہے، اور یہ طلب رسد (Supply) کے ساتھ مل کر قیمت کا تعین کرتی ہے۔
مثال: پانی (جس کی پیداوار میں محنت کم لگی ہے) اور ہیرے (جس کی پیداوار میں محنت زیادہ لگی ہے) کا مشہور معمّہ (Paradox of Value)۔ نیو کلاسیکی نظریہ بتاتا ہے کہ ہیرا مہنگا ہے کیونکہ اس کی حدی افادیت بہت زیادہ ہے (چونکہ وہ نایاب ہے)، جبکہ پانی سستا ہے کیونکہ اس کی حدی افادیت بہت کم ہے (چونکہ وہ وافر مقدار میں دستیاب ہے)، حالانکہ بقا کے لیے پانی زیادہ ضروری ہے۔

۴۔ جیسا کہ متن میں کہا گیا ہے ریاست قوت کو منظم کرتی ہے، یہ جدید ریاست کی اس تعریف سے ہم آہنگ ہے جو میکس ویبر (Max Weber) نے پیش کی تھی۔ اس کے نزدیک ریاست وہ ادارہ ہے جو ایک مخصوص جغرافیے میں "تشدد کے جائز استعمال" پر اجارہ داری رکھتی ہے۔

۵۔ "ریاستی مقتدرہ اور محکومین کے اقدار" کا تصادم مداخلت کو بڑھاتا ہے: جب ریاست اور عوام کے نظریات ایک ہوں (مثلاً قوم پرستی یا ایک مشترکہ مذہب)، تو ریاست کو ڈنڈا استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لوگ اسے "رضاکارانہ طور پر" قبول کرتے ہیں۔ اسے گرامچی (Antonio Gramsci) نے "ثقافتی غلبہ" کہا ہے۔ جب ریاست اپنی جڑیں معاشرتی اقدار میں کھو دیتی ہے، تو وہ ایک "پولیس اسٹیٹ" میں بدل جاتی ہے۔ ایسی صورت میں ریاست خاندان اور نجی زندگی کے دائروں میں بھی (غیر جائز) دخل اندازی کرتی ہے تاکہ کسی بھی ممکنہ مزاحمت کو کچلا جاسکے۔

۶۔ ۱۸۹۶ء کے انتخابات (William McKinley بمقابلہ William Jennings Bryan) کو امریکی تاریخ میں سرمایہ دارانہ نظام کی حتمی فتح سمجھا جاتا ہے، جہاں "سونے کے معیار" (Gold Standard) اور بینکاری مفادات نے پاپولسٹ عوامی تحریکوں کو کچل دیا۔

۷۔ یہ تاریخ کا وہ موڑ تھا جہاں ریاست نے اپنا "قرض" (National Debt) سود خوروں کے سپرد کر دیا۔ اب ریاست کی بقا ان مالیاتی مفادات سے جڑ گئی تھی۔ برطانوی بحریہ (Royal Navy) محض سرحدوں کی محافظ نہیں تھی، بلکہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی جیسے تجارتی مفادات کے لیے پوری دنیا کی مارکیٹ کو کھولنے اور اس کے تحفظ کا آلۂ کار بن گئی۔

۸۔ سامراج (Imperialism) دراصل "سرمایے کی ہوس" کا جغرافیائی پھیلاؤ تھا۔ جب مقامی منڈیاں کم پڑ گئیں، تو سود خوروں اور سٹہ بازوں نے ریاستی عسکری قوت کو استعمال کرتے ہوئے افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکہ کو فتح کیا۔ آج ریاستیں قرضوں کے جال، عالمی مالیاتی اداروں (IMF، ورلڈ بینک) اور امریکا کی عسکری طاقت اور بڑی بڑی کارپوریشنوں کے ذریعے سرمایے کی محکوم ہیں۔

۹۔ سرمایہ دارانہ ریاست منفی معنوں میں غیر سرمایہ دارانہ انفرادیت اور اداراتی صف بندی کو تباہ کرتی ہے اور مثبت طور پر سرمایہ دارانہ انفرادیت اور اجتماعیت اور سرمایہ دارانہ اداراتی صف بندی کو قائم کرتی ہے۔ مشہور

مورخ اور معیشت دان کارل پولانی (Karl Polanyi) نے اپنی کتاب The Great Transformation میں ثابت کیا کہ "آزاد منڈی" کبھی بھی فطری طور پر وجود میں نہیں آئی، بلکہ اسے ریاست کے شعوری قوانین کے ذریعے تخلیق کیا جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ ریاست نے زمین، محنت اور پیسے کو "اجناس" (Commodities) میں تبدیل کر دیا۔ جب ریاست نے غیر سرمایہ دارانہ فلاحی اداروں اور مشترکہ زمینوں (Commons) کو ختم کیا، تو فرد کے پاس اپنی محنت بیچنے اور حسد و مسابقت (Competition) میں پڑنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ مزید دیکھیے مور کی کتاب Social Origins of Dictatorship and Democracy

۱۰۔ جب تمام اجتماعی فیصلے (پالیسیاں، بجٹ، تعلیمی نصاب) سرمایہ دارانہ ریشنلٹی پر مبنی ہوں گے، تو پورا سماجی ڈھانچہ حرص اور حسد کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ اسکول، میڈیا اور اشتہارات فرد کو یہ سکھاتے ہیں کہ تمہاری قیمت تمہارے اثاثوں سے طے ہوتی ہے۔ یہ حسد کو جنم دیتا ہے، جو فرد کو مزید کام کرنے اور مزید خرچ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ ہر وہ عمل جو مادی نہیں ہے (جیسے ایثار، قناعت، یا عبادت) اسے معاشی عمل سے خارج کر دیا جاتا ہے کیونکہ وہ سرمایے کی بڑھوتری میں براہِ راست مددگار نہیں ہوتا۔

۱۱۔ متن کا یہ مشاہدہ جدید بینکاری اور مالیاتی نظام کی اس تلخ حقیقت کو بیان کرتا ہے جسے عام طور پر "کریڈٹ کی تخلیق" (Credit Creation) کہا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں ریاست محض ایک معمولی حصہ (نقدی اور سکے) جاری کرتی ہے، جبکہ معیشت میں موجود زر کا اصل حجم نجی بینکوں کے کھاتوں میں پیدا ہوتا ہے۔

۱۲۔ متن میں "عبودیت" (بندگی) کا لفظ محض استعارہ نہیں بلکہ ایک معاشی حقیقت ہے: ریاست قانوناً (Legal Tender) ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم اسی زر کو استعمال کریں۔ ہم اپنی محنت، وقت اور قابلیت کو اسی "سرمایہ دارانہ زر" کے بدلے بیچنے پر مجبور ہیں کیونکہ ٹیکس، ضروریاتِ زندگی اور کاروبار کا کوئی دوسرا راستہ باقی نہیں چھوڑا گیا ہے۔ چونکہ زر کی تخلیق پر سرمایہ دارانہ اداروں (بینکوں) کا قبضہ ہے، اس لیے وہ معاشرے کی کل محنت اور وسائل کو اپنی مرضی کے مطابق سمت دے سکتے ہیں۔ یوں معاشرہ اپنی مرضی کے بجائے "سرمایے کی ریشنلٹی" کے تحت کام کرتا ہے۔

۱۳۔ ریاست سیکورٹائزیشن کے ذریعے منجمد سرمایے (مشینری، زمین، گھر) کو سیال (Liquid) بناتی ہے۔ یہ جدید مالیاتی سرمایہ داری کا سب سے طاقتور ہتھیار ہے۔ ریاست ایسے قانونی ڈھانچے بناتی ہے جن کے ذریعے مستقبل میں ہونے والی آمدنی (مثلاً گھروں کے کرایے یا قرضوں کی واپسی) کو "بانڈز" یا "سیکیورٹیز" میں بدل کر فنانشل مارکیٹ میں بیچا جا سکے۔ اس طرح وہ سرمایہ جو پہلے مشینوں یا عمارتوں کی صورت میں "قید" تھا، اب اسٹاک مارکیٹ میں ایک لمحے میں ادھر سے ادھر منتقل ہو سکتا ہے۔ یہ عمل فنانشل مارکیٹوں کے تحکم کو زندگی کے ہر گوشے تک پھیلا دیتا ہے۔